بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

روسی زاروں کے عہد میں جب انیسویں صدی کے وسط اور اواخر میں روسی سلطنت میں آباد ترکوں میں قومی بیداری کا آغاز ہوا تو اس کی نوعیت اسلامی تھی۔ ایک تو اس لئے کہ ایشیا اور مشرقی یورپ کے مسلمانوں میں اس دَور میں نسل اور قومیت کے بجائے مذہب اسلام اور اس کی ثقافت کا غلبہ تھا۔ اور دوسرے روس میں ترک اور مسلمان ہم معنی الفاظ تھے۔

وولگا اور یورال کے مسلمان تاتاری علاقے سب سے پہلے زاروں کے تسلط میں آئے تھے، اس لئے دوسرے روسی ترکوں سے پہلے وہاں قومی بیداری کے آثار پیدا ہوئے۔ جو ایک لحاظ سے اسلامی بھی تھی۔ اپنے ہاں مروجہ دینی تعلیم کے پست معیار کو بلند کرنے کے لئے سب سے پہلے تاتاریوں نے وسط ایشیا کے دینی مدارس کی طرف توجہ کی۔ بخارا کے دینی مدارس کی کوئی دسویں صدی عیسوی سے تمام مشرقی اسلامی دنیا میں بڑی شہرت تھی۔ چنانچہ قدرتاً نوجوان تاتاری طالب علم علوم دینیہ کی تحصیل کی غرض سے ان مدارس میں بھیجے جانے لگے۔ لیکن بخارا کی یہ درس گاہیں ایک عرصے سے فرسودگی اور جمود کا مرکز بن چکی تھیں، اس لئے تاتاری طلبہ ان مدارس میں مروج طریقۂ تعلیم سے جلد ہی بددل ہو گئے اس طرح خود تاتاری مسلمانوں میں دینی اصلاح کی تحریکیں شروع ہو گئیں۔

انیسویں صدی کے اوائل میں وولگا کے ایک مشہور تاتاری عالم دین عبدالناظر (۱۷۷۵ء - ۱۸۱۳ء) بخاری علماء کے اس فرسودہ طریقۂ تعلیم سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک اور تاتاری شہاب الدین مرجانی (۱۸۱۵ء - ۱۸۸۹ء) نے تو جو پہلے جدید تاتاری مورخ اور مصلح تھے، اصلاح احوال کی باقاعدہ کوشش بھی کی۔ وہ بارہ سال بخارا میں رہ کر ۱۸۴۹ء میں واپس وطن آیا۔ اس کے بعد اس نے علاقہ وولگا کی اسلامی

درس گاہوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ قرآن مجید اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کے پرانے جامد طریقے کے بجائے زیادہ عملی اور کم نظری طریقے کو رائج کیا جائے۔ وہ اس پر زور دیتا تھا کہ ہر سچے ایماندار کو قرآن مجید خود سمجھنے کا حق ہونا چاہیئے۔ اس کے ساتھ وہ روسی زبان سیکھنے اور جدید علوم حاصل کرنے کا بھی حامی تھا مرجانی محض ایک نظری آدمی نہ تھا، وہ ایک عملی استاد بھی تھا۔ اس نے اپنے ان خیالات کو عملی شکل بھی دی بیس سال کی کوششوں کے بعد وہ ایک صاحب ثروت قازانی تاجر کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوا کہ وہ ایک نیا مدرسہ قائم کرنے میں اس کی مالی مدد کرے۔

مرجانی کی کوششیں ایک حد تک بار آور ہوئیں، اس کے بعد اس کے شاگردوں اور دوسروں نے نئی روشنی کی اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ اور تاتاری زبان میں کتابیں چھپنے لگیں۔

۱۸۵۳ء تا ۱۸۵۹ء کے درمیانی عرصے میں صرف قازان یونیورسٹی نے کوئی سوا تین لاکھ کتابیں چھاپیں، جن میں قرآن مجید کے علاوہ تاتاری زبان کی کتابیں بھی تھیں۔ ۱۸۵۳ء - ۱۸۶۴ء کے دوران تاتاریوں کی کل مطبوعہ کتابوں کی تعداد دس لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس طرح دینی مدارس کی تعداد میں بھی برابر اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۸۶۰ء میں وسط وولگا اور جنوبی یورال میں کوئی ۱۸۵۹ء تاتاری مکتب تھے، جو مساجد سے ملحق تھے اور ان میں "ملّا" تعلیم دیتے تھے۔

یہ نئی روشنی کے تاتاری مسلمان بڑی آسانی سے روس کے باقی مسلمان علاقوں کے لئے جو تعلیم اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بہت پس ماندہ تھے، اصلاح و ترقی کے ہراول بن سکتے تھے، لیکن ایک تو خود تاتاری علاقوں میں جمود پرست مذہبی طبقوں نے ان کی مخالفت کی۔ اور پھر دوسرے ترک علاقوں میں جہاں بھی اس طرز کی کوئی اصلاحی تحریک شروع ہوئی، سب سے بڑھ کر اس کی مخالفت جمود پرست مذہبی طبقوں نے کی۔

مثال کے طور پر انیسویں صدی کے اواخر میں بعض تاتاری حلقوں نے جمعہ کا خطبہ تاتاری زبان میں رائج کرنے کی تجویز کی، لیکن دین دار علماء نے اسے کھلا الحاد قرار دیا۔ ۱۹۰۸ء میں تاتاری علماء کی ایک جماعت نے زار روس کی حکومت سے شکایت کی کہ ان کے بعض "انقلابی" افراد مسجدوں میں جمعہ کا خطبہ تاتاری زبان میں پڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ مذہب اسلام میں سخت ممنوع ہے۔ ۱۹۱۲ء میں کسی حد تک ایک ترقی پسند تاتاری عالم صدیق امان کولف نے ایک معتدل آزادی پسند (لبرل) اخبار میں لکھا کہ قرآن مجید کا تاتاری جیسی عامیانہ زبان میں ترجمہ کرنا ناممکن اور تقریباً کفر و الحاد ہے۔ چنانچہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ اسلامی

ادارروں تک میں قرآن مجید اور فقہ اسلامی کی تعلیم عربی زبان ہی میں دی جاتی رہی نیز خود عربی زبان کی تعلیم فارسی میں لکھی ہوئی درسی کتابوں کے ذریعہ ہوتی تھی

ایک اور تاتاری بزرگ اسماعیل گیپرنسکی (۱۸۵۱ء - ۱۹۱۴ء) نے جو ایک طرف نوجوان عثمانی تحریک سے متاثر تھے اور دوسری طرف سیّد جمال الدّین افغانی کی ذات اور ان کی اتحاد اسلام کی تحریک ان کے لئے منبع فیض بنی تھی۔ تاتاریوں کو بالخصوص اور دوسرے روسی ترکوں کو بالعموم قرون وسطیٰ کی نفسیات سے نکال کر نئے دور میں لانے کے سلسلے میں بڑا کام کیا۔ وہ مسلمان عورتوں کی آزادی کے حامی اور مسلمانوں کی سماجی زندگی میں بعض اصلاحات کے داعی تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی ثقافت کے بھی علمبردار تھے۔ چنانچہ جہاں ایک طرف ان کا یہ اصرار تھا کہ اسلامی مدارس میں ترکی زبان پڑھائی جائے، وہاں وہ اس کی ضرورت بھی محسوس کرتے تھے کہ عربی کی جو قرآن مجید اور اسلامی ثقافت کی زبان ہے، بھی تعلیم ہو۔

ان مصلحین کی کوششوں کے نتیجے میں تاتاریوں میں سیاسی جدوجہد کا بھی آغاز ہوا اور ان کے ہاں سیاسی پارٹیاں وجود میں آئیں، جو زار کی حکومت سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتی تھیں۔ اس مرحلے پر قدامت پسند مذہبی طبقوں کا کیا رول رہا، وہ بڑا ہی افسوس ناک ہے۔ انھوں نے "صراط مستقیم" کے نام سے اپنی ایک پارٹی بنائی۔ یہ لوگ روسیوں کے دائیں بازو سے تعاون کرتے تھے۔ اور "جدیدیین" کے مقابلے میں "قدیمین" کہلاتے تھے۔ ان کا اپنا اخبار بھی تھا۔ "قدیمین" کے روحانی رہنما ولی حضرت کو "جدیدیین" اور "اتفاق پارٹی" کے لیڈروں سے جنہیں وہ مُلحد اور خدا اور رسول صلعم کے دشمن سمجھتے تھے، اتنی سخت نفرت تھی کہ اس نے زار روس کی پولیس سے یہ مخبری کرنے سے بھی تامل نہ کیا کہ "اصول جدید" کے ترک مدارس میں "پان ترکزم" کا پروپگنڈا ہوتا ہے (اس کی وجہ سے بعض مدارس کو زار کی حکومت نے بند کر دیا) ۱۹۱۷ کے اشتراکی انقلاب کے بعد یہ سب رپورٹیں جو "صراط مستقیم سے تعلق رکھنے والے قدامت پرست ملاؤں نے "اصول جدید" والوں کے خلاف زار کی پولیس کو دی تھیں، شائع کر دی گئیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ "صراط مستقیم" کے یہ مُلّاان ائمہ اور خطباء تک کو انقلابی سمجھتے تھے، جو جمعہ کی نمازوں میں عربی کے بجائے تاتاری زبان میں خطبہ دیتے تھے۔

وولگا اور یورال کے بعد قازقستان، وسط ایشیا کے ترک علاقوں بخارا، خیوا، سمرقند اور آذربائیجان وغیرہ میں بھی جب روسی ترکوں کے اصلاح پسند اور ترقی خواہ طبقوں نے حالات کو سدھارنے کی کوششیں

شروع کیں۔ تو عام طور سے ہر جگہ قدامت پسند علماء کی طرف سے ان کی سخت مخالفت ہوئی۔ بخارا میں دینی مدارس کی بڑی کثرت تھی۔ لیکن ان کے نصاب میں نہ سائنس داخل تھی اور نہ "آرٹس" کے فنون۔ بلکہ ان میں تاریخ اسلام تک نہ پڑھائی جاتی تھی۔ بخارا میں علماء کا غیر محدود اثر و نفوذ تھا اور بخارا کے فرمانروا بھی لبرل خیالات سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے، لیکن ان کی مخالفت کے باوجود وولگا کے تاتاریوں کی کوششوں سے بخارا میں بھی بعض نئے اسکول قائم ہو گئے۔ اس ڈر سے کہ نئے اسکولوں کی کامیابی کی بخارا کے قدامت پسند مدارس پر زد پڑے گی، علماء نے ان اسکولوں کو بند کرانے کے لئے ایسی متعصبانہ مذہبی فضا پیدا کر دی کہ ۱۹۱۰ء میں وہاں سخت قسم کے شیعہ سنی فسادات ہو گئے جنہیں روسی فوج نے آکر دبایا۔

شروع شروع میں زار کی حکومت اور اس کے حکام روسی ترکوں کی اس اصلاحی، تعلیمی و معاشرتی تحریک کے ایک حد تک حامی تھے، اور کہیں کہیں اس کی سرپرستی بھی کرتے تھے لیکن ایک وقت آیا کہ روس کے سرکاری حلقوں میں ترکوں کی اس تحریک سے خدشے پیدا ہونے لگے اور انھوں نے اس کے خلاف اقدامات کرنے شروع کر دیئے چنانچہ وسط ایشیا میں شائع ہونے والے وولگا یورال کے تاتاریوں کے اخبارات اور مدارس بند کئے جانے لگے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک طرف ازبکوں و تاجکوں اور دوسری طرف وولگا یورال کے تاتاریوں میں جو دراصل اس تحریکِ اصلاح کے ہراول تھے، روسی حکام کی طرف سے منافرت کے بیج بونے کی پالیسی شروع کر دی گئی "جدیدیین" کے اس بڑھتے ہوئے اثر کی روک تھام کے لئے حکومتِ روس نے قدامت پسند مسلمانوں کی تائید حاصل کی اور اب اس کی نظرِ عنایت خاص طور سے قدامت پسند مدرسوں کی طرف ہو گئی۔ یہ قدامت پسند گروہ "جدیدیین" کی اصلاحی سرگرمیوں کو زار کی حکومت سے بھی زیادہ ناپسند کرتا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں تاشقند کے اخبار "ترقی" نے قدامت پسند مدرسوں اور ان کے استادوں پر اعتراض کیا تو اس سے قدامت پسند اور "قدیمیین" اتنے بگڑے کہ تاشقند کے علماء کے ایک اجتماع میں اخبار مذکور کے ایڈیٹروں اور حامیوں کو کافر قرار دیا گیا اور وہ مساجد سے نکال دیئے گئے۔

فروری ۱۹۱۷ء میں زار کی حکومت کے خاتمے کے بعد اور اشتراکی انقلاب اکتوبر کے برپا ہونے سے پہلے کا زمانہ روسی ترکوں کے لئے بڑا نازک بھی تھا اور بے حد اہم بھی۔ اور اس میں روسی مسلمانوں کے قدامت پسند گروہ نے جو روش اختیار کی، وہ قابل توجہ ہے۔ تاشقند میں ایک جمعیت العلماء قائم کی گئی جس نے فوراً ہی

ایک انتہا پسندانہ قدامت پرست مسلک اختیار کر لیا۔ اگست ۱۹۱۷ء میں وسط ایشیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر تاشقند میں جو شہری کونسل کے انتخابات ہوئے تو ان میں قدامت پسند مسلمان علماء نے روسی دائیں بازو سے مل کر ۶۰ فی صد ووٹ لئے اور ان کے مقابلے میں "شورائے اسلام" پارٹی کے "جدیدیین" اور ترک قوم پرستوں کو صرف ۱۰ فی صد ووٹ ملے۔ ان علماء اور مذہبی طبقوں کو نہ تو داخلی خود مختاری سے دلچسپی تھی اور نہ مکمّل آزادی سے۔ ان کے سامنے سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ وسط ایشیا کی ترک آبادی پر ان کا اثر و نفوذ بحال رہا۔ انھوں نے روسی دائیں بازو والوں سے ترک مسلمانوں کی دوسری پارٹیوں "جدیدیین" اور دوسری بائیں بازو کی پارٹیوں سے مخالفت کی وجہ سے تعاون کیا تھا، جنھیں یہ علماء بے دین و ملحد کہتے تھے۔ ۱۹۱۷ء کے موسم گرما و خزاں میں اس کشمکش میں بعض مسلمان لبرل اور سوشلسٹ مارے بھی گئے۔ جب دوسری پارٹیوں نے وسط ایشیا کی داخلی خود اختیاری کے لئے آئین بنانا شروع کیا، تو علماء نے اصرار کیا کہ اس میں ایسی دفعات رکھی جائیں جن میں خود مختار مملکت کے قانون ساز اور عاملہ (ایگزیکیٹو) اداروں کی نگرانی کی علماء کو ضمانت دی جائے اور انہیں انتظامیہ (ایڈمنسٹریشن) پر بھی کنٹرول ہو۔

فروری ۱۹۱۷ء میں زار کی حکومت ختم ہونے پر بخارا کی حالت اس سے بھی دگر گوں ہوئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نوجوان بخاری لبرلوں سے امیر بخارا سے کچھ آئینی اصلاحات تسلیم کرا لی تھیں۔ اس کے نتیجہ میں امیر مذکور کے سابق رجعت پسند مشیر جلاوطن کر دیئے گئے لیکن اپریل میں پھر رجعت پسند غالب آ گئے۔ امیر کے سابق مشیر نے واپس آکر لبرلوں کے خلاف مہم شروع کر دی۔ اس نے بخارا کے عوام کو مشتعل کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اب آئینی اصلاحات کے بجائے بے دین "جدیدیین" اور شرع محمدّی کے "باغیوں" کو سخت سزائیں دینے کے حق میں مظاہرے شروع ہو گئے۔ اس عوامی سیلاب کے سامنے نوجوان بخاری لبرلوں کے پاؤں نہ ٹھہر سکے۔ ان کی اکثریت کو گرفتار کر لیا گیا۔ باقی بھاگ گئے اور بہت سے عوام اور امیر کے آدمیوں کے ہاتھ سے مارے گئے یا ان کو سخت اذیتیں دی گئیں۔ اگر بخارا میں مقیم روسی سفیر بیچ میں نہ پڑتا تو نوجوان بخاری لبرلوں کا بالکل صفایا ہو جاتا۔

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد روس میں اشتراکی انقلاب ہوا۔ بخارا پر بھی اشتراکیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور امیر بخارا کو وہاں سے بھاگ کر جان بچانی پڑی۔

یہ معلومات ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) سے شائع شدہ ایک کتاب PAN TURKISM AND ISLAM IN RUSSIA) سے ماخوذ ہیں۔ روس کے مسلمان ترکوں میں ۱۹۰۵ء میں اسلامی و

قومی بیداری کی جو لہر اٹھی تھی۔ ۱۹۱۷ء تک اُس نے جو ارتقائی مرحلے طے کئے، اور آخر میں کمیونسٹ انقلاب نے اسے جس طرح ختم کیا، مصنف اسے بڑی تفصیل سے بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے :- ان مسلمان ترکوں کی اسلامی و قومی جدوجہد کی تحریک اس لئے نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی کہ ان کے ہاں تجدد و اصلاح کی جو بھی کوششیں ہوئیں سب سے پہلے خود ترک قدامت پرستوں نے ان کی مخالفت کی۔ اور اس طرح ایک تو یہ کوششیں بارآور نہ ہوسکیں، اور دوسرے تجدد کے حامی جدیدیین اور قدیمیین کے اختلافات نے اکثر اوقات منافرت کی شکل اختیار کرلی اور بارہا ایسا ہوا کہ جدیدیین کو خود اپنے ہم مذہب قدیمیین کی زیادتیوں سے بچنے کے لئے بالشویکوں کی پناہ لینی پڑی۔ اسی طرح کہیں کہیں قدیمیین نے قوم پرست جدیدیین کے مقابلے میں بین الاقوامیت کے حامی بالشویکوں کو ترجیح دی اور ان سے سیاسی گٹھ جوڑ کیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ ایک ایک کرکے ترک علاقے بالشویک تسلط میں آگئے۔

اسی دَور میں ترکی، ایران اور مصر وغیرہ بھی تجدد و اصلاح کی تحریکیں اٹھیں، اور قدامت پرست مذہبی طبقوں نے ان کی بھی مخالفت کی، لیکن چونکہ اس دوران میں ان ملکوں میں آزادی خواہ قومی قیادتیں وجود میں آگئی تھیں، اور وہ تجدد پسند تھیں اور ان کے لئے ایسا ہونا ناگزیر تھا، اس لئے قدامت پسند مذہبی طبقوں کی مخالفت ناکام رہی اور یہ ملک آسانی سے قرونِ وسطیٰ کے دور سے نکل کر بیسویں صدی میں آگئے۔

سیّد جمال الدّین افغانی نے قاہرہ میں فلسفہ و حکمت، اسی پرانے فلسفہ و حکمت کا درس دینا شروع کیا تو علماء ازہر نے اُن کی مخالفت کی۔ پھر جب شیخ محمدؒ عبدہ نے ازہر کے نصاب میں بعض نئے مضامین جیسے تاریخ و جغرافیہ داخل کرنے چاہے، تو انہیں سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء میں شیخ الازہر المراغی نے ازہر کی تعلیم کو باقاعدہ بنانے لئے کچھ تجاویز پیش کیں۔ تو وہ مسترد ہوگئیں اور اُنہیں ازہر سے نکلنا پڑا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن حسنِ اتفاق سے نئے سکولوں اور کالجوں سے جو نئی پود نکل رہی تھی، اور اس کے ساتھ ساتھ قومی و سیاسی جدوجہد جس طرح آگے بڑھ رہی تھی، ان دونوں نے مل کر قدامت پسندی اور رجعت پرستی کی ایک نہ چلنے دی۔ اور تجدد و اصلاح کی شاہراہ پر یہ ملک برابر آگے بڑھتے گئے۔

پاکستان اس وقت جس مرحلے سے گزر رہا ہے، اس میں یہاں کی قومی قیادت کو جس کی فعّال مظہر ایک آزاد ملک میں قدرتاً اس کی حکومت ہی ہوتی ہے آج یہ مسئلہ درپیش ہے کہ وہ نظم و نسق حکومت اور قانون

سازی میں ظاہر ہے اسلام کے بنیادی اصولوں اور اس کی ابدی و عمومی تعلیمات کو اپناتے ہوئے ملک و قوم کی ضرورتوں اور موجودہ زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھے، یا ان علماء کو ان تمام معاملات میں حق استرداد (ویٹو) دیدے جن کے نزدیک

"اسلامی اصول اور اسلامی احکام کی تشریح و توضیح میں رائے عامہ یا حکام کی مرضی کو مطلق کوئی دخل نہیں ہے۔ ماہرین علوم شریعت کا قول قول فیصل ہے اور ان کی رائے آخری رائے ہے۔"

اس مسئلے کا دولوٹوک فیصلہ کرنا آج ضروری ہو گیا ہے۔ اور اس میں جتنی تاخیر ہوگی، پاکستان کے اتحاد، استحکام اور ترقی پر اس کا بُرا اثر پڑے گا۔ اور ملک کے لئے اندرونی اور بیرونی خطرات بڑھیں گے۔

اس مکتب خیال کے علماء ایک طرف یہ فرماتے ہیں کہ "اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے اور وہ زندگی کے تمام شعبوں کی صورت گری کرتا ہے" اور دوسری طرف ان کا مطالبہ ہے کہ "اسلامی اصول اور اسلامی احکام کی تشریح و توضیح کے بارے میں" ماہرین علوم شریعت کا قول قول فیصل ہے اور ان کی رائے آخری رائے ہے"

گویا عملاً "اولوالامر" حکومت نہیں، جس کے خلاف سیاسی و قانونی جدوجہد بھی ہو سکتی ہے اور اسے بدلا بھی جا سکتا ہے، بلکہ "ماہرین علوم شریعت" ہیں، جن کی رائے آخری رائے ہے اور مزید دقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو خود کو عالم کہے یا دوسرے اسے عالم سمجھیں، "ماہرین علوم شریعت" میں سے ہونے کا مدعی ہے اور حکومت کا ہر معاشی و انتظامی اقدام خواہ وہ کتنا بھی جزوی کیوں نہ ہو، ان "ماہرین علوم شریعت" کے لئے اسلامی اصول اور اسلامی احکام میں داخل ہے۔

یہ ہے وہ سنگین صورت حال جو آج اس ملک کو درپیش ہے اور ہمارے خیال میں اس کا فیصلہ زیادہ دیر معرضِ التوا میں نہیں رکھا جا سکتا۔